پروفیسر سید جعفر رضا

اسلامی فرقے

مختلف مسالک اہل سنت کا اجمالی تعارف

حنفی مسلک:

اس مسلک کے بانی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی (م: ۱۵۰ھ، ۷۶۷ء) اہل تسنن میں امام الاعظم کے نام سے معروف ہیں، جو شیعی فقہ کے تربیت یافتہ اور امام جعفر صادق کے شاگردوں میں سے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ائمہ اہل بیت سے استناد کرتے۔ عرصے تک کلامی جھگڑوں میں الجھے رہے جس کا اکھاڑہ بصرہ تھا، پھر ان سے بیزار ہو کر فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، جس کے دو مراکز تھے بصرہ اور کوفہ۔ امام ابو حنیفہ بصرہ کے اہل حدیث میں شامل نہ ہوئے۔ کوفی دبستان اختیار کیا، جس کی ابتدا حضرت علی سے ہوئی تھی۔ لیکن بعد کے ادوار میں بعض مخصوص افکار وعقاید اختیار کر لینے کی بنا پر اہل الرائے، کا مرکز بن گئے۔ اس مدرسہ کے فارغین و نامور اساتذہ میں عبد اللہ بن مسعود (م: ۳۲ھ، ۶۵۲ء) شریح (م: ۸۱ھ/ ۶۹۷ء) علقمہ (م: ۱۹۹ھ/ ۸۱۴ء) مسروق (م: ۶۳ھ/ ۶۸۲ء) ابراہیم نخعی (م: ۹۶ھ/ ۷۱۴ء) اور حماد (م: ۱۱۹ھ/ ۷۳۷ء) انہیں حماد کی خدمت میں ابو حنیفہ اٹھارہ برس رہے، ان کے جانشین ہوئے اور تقریباً ۳۰ سال تک صدر نشین رہے۔ اس درمیان ہزاروں مسائل کے جوابات دیے جن کو شاگردوں نے ملفوظات کی صورت میں قلم بند کر دیا۔ [۱] فقہ حنفی اور فقہ جعفری کے درمیان زبردست مماثلتیں برقرار ہیں، جس سے دونوں کے ایک ہی ماخذ سے مبنی ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کا ایک اہم کارنامہ غیر سرکاری مجلس وضع قانون (Private

(Legislature) کی تشکیل تھی، جو کسی طرح کے سیاسی قوت نفاذ (Authority of
(Political Sanctions کے بغیر اپنی خوبی، صلاحیت اور مطابقت احوال اور مدونین کے
ذاتی اخلاقی و مذہبی اثرات کی بناپر سلطنتیں خود انہیں نافذ کرنے پر مجبور ہوئیں۔ اس مجلس کے
شرکاء امام ابو حنیفہ کے نامور شاگرد تھے جو اپنے دور کے فاضلین میں شمار ہوتے تھے۔ ان میں
قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن الشیبانی (م: ۱۹۰ھ/ ۸۰۵ء) عبد اللہ بن مبارک، ابو عبد اللہ
وغیرہ مشہور ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا طریقہ کار تھا کہ اپنی رائے بعد میں پڑھوا کر سنتے تھے۔ ابو عبد
اللہ کا بیان ہے: ”میں امام کے اقوال ان کو پڑھ کر سناتا تھا۔ ابو یوسف کی عادت تھی کہ امام
کے اقوال درج کرتے ہوئے، اپنے طور پر اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے پڑھتے وقت میں
کوشش کرتا تھا کہ ان کے اضافے چھوڑتا جاؤں اور صرف امام کے اپنے اقوال سناؤں۔ ایک
روز میں چوک گیا اور دوسرا قول بھی پڑھ دیا۔ امام نے پوچھا یہ دوسرا قول کس کا ہے۔؟ ؎
امام ابو حنیفہ کے فقہی مباحث میں ان کا اصول قیاس انفرادیت کا سبب بنا لیکن اس پر شدید
اختلافات ہوئے، جو اہل تسنن کے مختلف مسالک کے وجود میں لانے میں معاون ہوئے۔ یہ
اصول قیاس قرآن الحکیم کے مکتوبی الفاظ یا مسائل میں لفظی موافقت تک محدود نہیں ہے بلکہ
الفاظ کے پردے میں قرآنی احکام کی علت یا سبب جاننے پر زور دیتا ہے جس میں فروعی
احکامات میں قرآن و حدیث کی علت تلاش کی جاتی ہے۔ مثلاً قرآن نے خمر کو نشہ کی بنا پر حرام
قرار دیا تو ایسی تمام چیزیں حرام قرار پائیں جن میں نشہ ہو۔ یا قرآن نے چوری کی سزا قطع ید
قرار دیا تو چوری میں نقب زنی بھی شامل ہے، اس لیے نقب زنی پر قطع ید کا حکم ہوگا۔ قیاس
میں سب سے بڑی مصیبت مغالطہ بازی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کی مثال امام ابو حنیفہ کے
عزیز ترین شاگرد امام ابو یوسف تھے، جو قانون شریعت کو مختلف مصالح کے پیش نظر توڑنے
مروڑنے کے ماہر تھے۔ ابن خلکان الشافعی (م: ۶۶۲ھ/ ۱۲۶۴ء) نے علامہ ابی جعفر الطبری
کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابو یوسف کی وضع کردہ احادیث کو ثقہ محدثین شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے

کیونکہ موصوف رائے کے ذریعہ نت نئے قوانین اخذ کرتے تھے۔ ۳؎ انھوں نے مقامی رسم ورواج کو اسلامی عقاید کا جزو بنایا اس کا اصطلاحی نام استحسان رکھا، جس کی بنیاد پر وہ ہر طرح کے مفید مطلب قوانین وضع کرتے تھے۔ ۵؎

مالکی مسلک:

اس مسلک کے بانی ابو عبد اللہ امام مالک بن انس اصبحی (م: ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء) امام جعفر صادق اور امام ابو حنیفہ دونوں کے شاگرد تھے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور ان کے فقہی طریقہ کار میں اصولی طور پر اختلاف نہ تھا لیکن جزئیات وتفصیلات میں شدید اختلافات تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ کو فقہی مرکز بنایا اور قرآن وسنت کے بعد مدینہ کے رسم ورواج کو اساسی درجہ عطا کیا۔ اگر احادیث کے احکام میں اختلاف ہوتو مالکی مسلک کے مطابق اہل مدینہ کے رسم ورواج کو قبول کرنا چاہئے۔ اگر حدیث اور رسم ورواج اہل مدینہ سے مدد نہ مل سکے تو مشتبہ احادیث کو قبول کرتے۔ ۶؎ ان کا طریقہ کار قیاس کے حق میں نہ تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آزادانہ اور من مانی رائے اور قیاس کی مخالفت میں مسلک مالکی وجود میں آیا۔ ۷؎ امام مالک کے طریقہ فکر کی بہترین مثالیں 'موطا' سے پیش کی جاسکتی ہیں جس میں انہوں نے قانونی نظائر کے طور پر مختلف عنوانات کے تحت اولاً قرآنی آیات درج کیے، پھر احادیث اور آخر میں اہل مدینہ کے رسم ورواج۔ اگر قرآنی احکام واضح ہوتے تو احادیث ترک کردیتے۔ ۸؎

قانون اسلام میں اہل مدینہ کی قدیم رسم ورواج کو اسناد کا درجہ ماننے کی بنا پر بہت ساری ایسی روایات اسلام میں داخل ہوگئیں جو اہل عرب میں زمانہ جاہلیت سے رائج تھیں۔ مثلاً زمانہ جاہلیت میں قاعدہ تھا کہ نئے کنویں کے پانی کی آمدنی کا دسواں حصہ (عشر) دینا پڑتا تھا، یہ محصول اسلام میں بھی جاری رہا۔ یا ہبۂ عمری کا معاملہ، حالانکہ مشروط ہبہ کے خلاف متعدد حدیثیں موجود ہیں لیکن اہل مدینہ کے قدیم رواج کی بنیاد پر امام مالک جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح موطا میں درج ہے کہ کوئی عجمی (غیر عرب) کسی عرب کا وارث نہیں ہوسکتا

لیکن اگر بچہ کی ولادت عرب میں ہوئی ہو تو اپنی ماں کا وارث ہوسکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ اس طرح کے عقائد تمام دیگر مسالک میں قابل قبول نہیں ہوسکتے۔ ۹

شافعی مسلک:

اس مسلک کے بانی امام محمد بن ادریس شافعی (م: ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء) نے فقہ مالکی کی تعلیم براہ راست امام مالک سے اور فقہ حنفی کی تعلیم امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور رفیق کار محمد بن حسن الشیبانی سے حاصل کی تھی۔ ان دونوں مسالک کا گہرا مطالعہ نا آسودگی کی صورت میں نمایاں ہوا، جو کہ ایک نئے مسلک کی تاسیس کا سبب ہوا۔ مسلک مالک سے ان کو شکایت تھی کہ اس میں حالات کو نظر انداز کرکے سنت کی لفظی پیروی پر زور تھا۔ مزید یہ کہ مالکی سنت نبوی اور اہل مدینہ کے رسم ورواج میں فرق نہ کرتے۔ مسلک حنفی سے ان کا اختلاف رائے ان کے آزادانہ استعمال کی بنا پر تھا۔ وہ فقہاء کے انفرادی آراء کے خلاف تھے۔ انھوں نے شدت سے محسوس کیا کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں پہنچتے پہنچتے احادیث کو قرآن کے ہم پلہ ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگئی، جس سے منطقی نتیجہ نکلا کہ حسب دل خواہ قرآنی احکامات منسوخ کیے جانے لگے کیونکہ مملکت اسلامی کے حدود کی توسیع کے بعد مختلف النوع رسم ورواج مسلمانوں میں نظر آئے۔ جن میں بعض رسم ورواج قرآن واحادیث کے احکامات کے برعکس ومتضاد تھے لیکن ان کی جڑیں سماج میں اتنی گہری تھیں کہ انھیں اکھاڑ پھینکنا آسان نہ تھا۔ یہ دشوار مرحلہ امام محمد الشافعی کے ہاتھوں سرانجام پایا۔ انھوں نے فقہ اسلامی کا ایک ایسا قاعدہ مرتب کرنے کو شش کی، جس میں گذشتہ مسالک کی خامیاں نہ ہوں۔ ۱۰

امام شافعی نے اصول قانون سازی اور ماخذ قانون کے متعلق سوچا سمجھا طریقہ کار اختیار کیا۔ انھوں نے قدیم علاقائی رسم ورواج کو باقاعدہ ماخذ کا درجہ دیا لیکن اس کے لیے اجماع ضروری قرار دیا۔ امام مالک بھی اجماع کے قائل تھے۔ لیکن ان کا اجماع علمائے مدینہ تک محدود تھا۔ امام شافعی نے اجماع کے دائرہ کو بے حد وسیع کردیا، جس میں احادیث رسول

کے علاوہ ثقہ علماء کے خیالات بھی شامل کر دیے۔ یہ اصول بعد کے دور میں مزید مقبول ہوا، کیونکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے ہنگامی مسائل کے حل تلاش کیے جانے لگے۔ مکہ و مدینہ کے مقدس شہروں کے علماء کے علاوہ ہر دور کے ہر علاقہ کے ثقہ علماء و فقہاء کی اجتماعی رائے کو اجماع قرار دیا جانے لگا۔ اس طرح امام شافعی نے قانون شریعہ کے ماخذ میں قرآن، سنت اور اجماع کے اصولوں پر برقرار رکھتے ہوئے قیاس کی صرف اس صورت میں اجازت دی کہ ان تینوں معتبر ترین ماخذ سے قانونی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو۔[11] مسلک شافعی کے پیرو شمالی افریقہ، مصر، جنوبی عرب ملایا شری لنکا کے علاوہ ہندوستان میں بھی ملتے ہیں۔ ممبئی کے بعض بوہرے شافعی عقیدہ کے پیرو ہیں۔

حنبلی مسلک:

اس مسلک کے بانی امام احمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ/ ۸۵۵ء) کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے عباسی خلافت کے اہم دور (۸۰۹-۴۲) یعنی دور مامون ومعتصم باللہ میں معتزلی عقاید کے سیلاب میں اہل تسنن کے عقاید وافکار کو قائم کرنے کی کوشش کی۔ ورنہ خلفائے وقت کی کوشش تھی کہ فرقہ اہل تسنن کی سرکاری حیثیت کو ختم کر کے اعتدال کو سرکاری مذہب بنادیا جائے۔ امام حنبل نے کوئی نیا فقہی مسلک رائج نہیں کیا، اس لیے معروف اسلامی مفسر، فقیہ اور مورخ علامہ جریر الطبری امام حنبل کو فقیہ نہیں مانتے، صرف محدث قرار دیتے ہیں،[12] لیکن امام حنبل کی تشریح احادیث میں قانونی نکات کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ گیارہویں صدی ہجری میں حنبلیوں کو سیاسی طاقت حاصل ہوگئی تو اہل تسنن میں اجماع ہوگیا کہ حنبلی مسلک بھی اہل سنت والجماعت کے راسخ العقیدہ مسالک میں سے ہے۔

امام حنبل اپنے استاد امام شافعی کے اصول قیاس کے سخت مخالفوں میں تھے۔ ان کے نزدیک قرآن اور سنت کی عقلی تشریح جائز تھی لیکن کسی مسئلہ کو محض اجماع کی بنا پر قبول نہ کرتے تھے بلکہ اس کو ناجائز اور بدعت قرار دیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلک حنبلی اہل تسنن کے

دیگر مسالک کے مقابلہ میں زیادہ رجعت پسند اور انتہا پسند ہے۔ اس لیے اس کے پیروؤں کی تعداد وقت کے ساتھ گھٹتی گئی لیکن اٹھارویں صدی میں وہابی تحریک نے حنبلی مسلک کو دوبارہ سیاسی طاقت عطا کردی ورنہ یہ مسلک تاریخ کا ورق پارینہ بن کر رہ گیا ہوتا۔ ۱۳؎ حنبلی مسلک ہندوستان کے بعض علاقوں میں بھی مروج ہے۔

اہل تسنن کے ان چاروں مسالک کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو مجموعی اعتبار سے حنفی مسلک کے پیرو ابتدا سے زیادہ وسیع النظر رہے ہیں، ان کے مقابلہ میں مالکی اور شافعی مسالک میں زیادہ شدت رہی ہے۔ حنبلی عقاید وافکار میں انتہا پسندی میں کسی اور مسلک کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ حنفی خاص طور پر نشانہ بنے، جن کو 'اہل الرائے والقیاس' کا لقب ملا۔ حنبلی مسلک مذکورہ بالا دیگر تینوں فقہی مسالک سے زیادہ اہل الحدیث سے ہم آہنگ رہا۔ بعد کے ادوار میں خلافت ملوکیت میں پوری طرح ڈھل گئی تو شرعی پابندیوں کی پرولاقی نہ رہی۔ مسلمانوں کے آداب ومراسم میں انانیت پیدا ہوئی۔ تفریق پسندی نے ترقی کی تمام راہیں مسدود کردیں۔ اجتہاد کے دروازے بند ہوگئے۔ نادانستہ ہی سہی، اختلاف کے امکانات پر روک لگی۔ حتیٰ کہ انیسویں صدی میں وہابیت کی تحریک نے دوبارہ اہل الحدیث کے نظریات کی بازیافت کردی اور اہل تسنن کے اساسی عقاید وافکار کو عصر نو نے جدید زاویہ نظر سے دیکھا۔

مسلک اہل حدیث:

گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ اہل تسنن کے فقہی مسالک میں امام ابو حنیفہ اور ان کے پیروؤں کو اہل الرائے، قرار دے کر الگ کر دیا جاتا رہا۔ باقی تینوں مسالک مالکی، شافعی، اور حنبلی اہل الحدیث میں شمار ہوتے تھے، جن کے رہنما امام مالک تھے۔ ان کی توجہ حدیث پر زیادہ تھی۔ قیاس اور رائے کو دخل نہ دیتے۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، بصرہ، یمن شام وغیرہ اہل الحدیث کے اہم مراکز تھے۔ علم الحدیث کا ذکر اہل تسنن کے ایک مسلک کی حد تک کیا جائے گا جو ابن تیمیہ (م: ۷۲۸ھ، ۱۳۲۷ء) کو امام الحدیث قرار دیتا ہے اس مسلک کا

عقیدہ ہے کل حدیث لایعرفه ابن تیمیه فلیس بحدیث (جس کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں، وہ حدیث نہیں ہے۔[۱۴] انھوں نے امام غزالی (م: ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) کے نظریہ تقلید جامد کے خلاف آواز اٹھائی اور قرون اولیٰ کے مجتہدین کی طرح اجتہاد کر کے احادیث اور آثار صحابہ سے استنباط کیا۔ مذکورہ بالا چاروں مسالک نے اہل تسنن کے درمیان آزادانہ محاکمہ کیا اور کثیر التعداد مسائل کے ان سے مختلف حل تلاش کیے۔ اسی مسلک کے شیخ عبد الوہاب علی شاذلی سے مکہ مکرمہ میں تین سال تک تعلیم وتربیت حاصل کر کے شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۵۵۰ء-۱۶۴۰ء) نے ہندوستان میں مسلک اہل الحدیث کو قائم کیا۔[۱۵] حالانکہ موصوف اولین ہندوستانی محدث نہ تھے۔ ان سے قبل دور قطب الدین ایبک (۱۲۰۶ء) میں امام حسن بن محمد صنعانی علم حدیث کی روشنی ہندوستان میں پھیلا چکے تھے، جن کی کتاب مشارق الانوار مشہور ہے لیکن محدث دہلوی کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے تقریباً نصف صدی تک فقہ و حدیث کی تطبیق، ان پر اعتراضات کے ازالہ اور فقہ وتصوف کے درمیان ارتباط قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کی بہترین مثال ان کی کتاب، تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف ہے۔ اسی دور میں شیخ احمد سرہندی (م: ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) نے ترتیب فکروشعور اور تطہیر کردار وعمل کے نام پر اکبر اعظم (۱۵۵۶ء-۱۶۰۵) کی مذہبی پالیسی کے علاوہ تصوف وطریقت اور تشیع کے خلاف محاذ آرائی کی۔

ہندوستان میں مسلک اہل الحدیث کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م: ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے مستحکم بنیادیں عطا کیں۔ انھوں نے ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء میں مکہ معظمہ کے ممتاز مشائخ ومحدثین سے اکتساب فیض کیا اور بقول خود مسالک اربعہ کے فقہاء واصول فقہ کا مقابلہ میں "نور غیبی کی مدد سے ان کا دل فقہائے محدثین کی روش پر مطمئن ہوگیا"۔[۱۶] فقہ میں مفاہمت وتطبیق کا رویہ رکھا۔ اہل تسنن کے مسالک اربعہ کے علاوہ اہل تشیع سے عقل ونقل میں اور اہل طریقت سے شریعت میں مفاہمت کی کوشش کی۔ ان کا استدلال تھا

کہ ان میں ہر طریقہ اپنے لیے ایک مضبوط دینی بنیاد کا حامل ہے۔ اس لیے حق خالص یہ ہے کہ (افراط وتفریط اور شدت ترک کر کے) ان کو واضح اصول کی بنا پر جمع کیا جائے اور ان میں مطابقت پیدا کی جائے۔ [17] انھوں نے اپنی کوششیں محض دینی افکار وعقاید تک محدود نہیں رکھیں بلکہ ان کو سیاسی تناظر عطا کیا۔ ارتجاعی نظام حکومت کو ختم کر کے عادلانہ نظام حکومت قائم کرنے کا نظریہ عطا کیا۔ جس کے لئے ایک منظم سیاسی جماعت تیار کی۔ [18] ان کے انقلابی نظریے کا عنوان کا فک کل نظام (ہر بوسیدہ نظام کا خاتمہ) تھا جس کے لیے جہاد کو ضروری قرار دیتے تھے۔ وہ اخلاقی احیاء میں مقامی رسم ورواج کو مسلمانوں کی زندگی سے خارج کر کے دنیائے اسلام میں یک جہتی کے خواہاں تھے۔ [19] سیاسی معیاروں پر ان کی تحریک کامیاب نہ ہو سکی لیکن ان کی کوششوں نے ہندوستان میں اہل الحدیث کو مستقل حیثیت عطا کر دی۔ [20] دبستان محدثی کے زیر اثر ۱۹۰۹ء میں اعظم گڑھ میں مدرسۃ الاصلاح کی بنیاد پڑی۔ اس طرح اہل الحدیث کو منظم کرنے کی جو تحریک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شروع کی تھی، ہنوز جاری وساری ہے۔

مسلک وہابی یا الموحدین:

اس مسلک کے بانی محمد بن عبد الوہاب (م: ۱۲۰۷ھ/ ۱۷۹۲ء) نے عرب کے ریگزاروں سے ۱۷۳۶ء میں ابتداً تصوف کی مخالفت میں تحریک شروع کی۔ ایک کتاب التوحید الذی ھو حق اللہ علی علی المجید۔ لکھی [21] جس میں توحید ونبوت سے متعلق ایسی باتیں لکھیں جو اہل تسنن کے مختلف مسالک کے درمیان افتراق واختلاف کا باعث ہوئیں۔ توحید کو مخصوص زاویہ نظر سے دیکھا۔ شرک کا دائرہ بہت پھیلا دیا۔ کسی شخص کی پناہ لینا شرک، کسی سے مدد لینا شرک، کسی شخص کو پکارنا شرک، کسی شخص سے فریاد کرنا شرک، کسی شخص کی نذر ونیاز وغیرہ۔ ابن عبد الوہاب نے آگے بڑھ کر خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ کی ضرورت سے بھی انکار کر دیا جو وہابی عقیدہ کی اساس بن گیا۔ مسلک وہابی کے نزدیک کسی نبی یا رسول (جس میں سرکار ختمی مرتبت بھی شامل ہیں) یا ولی یا صالح کو شفاعت کا ذریعہ بنانا، تقلید کرنا یا کسی غیر خدا

سے شفاعت یا بخشش میں مدد کی توقع کرنا، کسی وسیلہ کا ماننا، کسی نبی یا ولی یا صالح کی قبر کی زیارت کے لیے جانا اور اسی طرح کے تمام افعال شرک اکبر ہیں۔ روضہ یا قبہ تعمیر کرنا وغیرہ بدعت ہے۔ فاتحہ دلانا، مزارات پر روشنی کرنا، پیری و مریدی اور مجاوری گناہ ہیں۔ حتیٰ کہ یوم ولادت رسول اکرم پر محفل میلاد بہ نیت ثواب کرنا بھی گناہ ہے۔ وہابی مسلک نے دیگر مسالک اہل تسنن کے برعکس رسالت اور آخرت کو علاحدہ سے اصول دین ماننے کی ضرورت نہیں سمجھی ان کے نزدیک ارکان دین۔ توحید، نماز روزہ حج اور زکوۃ ہیں۔ جہاد بھی ضمنی شے ہے۔

کتاب التوحید میں قرآنی آیات کی دلچسپ تاویلات پیش کی ہیں۔ مثلاً آیت: حتیٰ اذا جزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا الحق وهو العلي الكبير یہاں تک کہ جب ان کے دلوں کی ہیبت دور کردی جائے گی تو پوچھیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا تو وہ جواب دیں گے کہ جو کچھ کہا ہے۔ حق کہا ہے اور وہ بلند و بالا اور بزرگ و برتر ہے۔ (سبا ۳۴/ ۲۳) کے متعلق لکھا: ''اشعریہ کے خلاف اللہ تعالیٰ کی صفات کا ثبوت''۲۴ یہ اسی طرح کی تاویل تھی، جو قرآنی آیات یداه مسبوطتان (اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) (المائدہ ۵/ ۶۴) اور الرحمن علی العرش استوىٰ (رحمٰن عرش پر سیدھا ہو کر بیٹھا) (طٰہٰ ۲۰/ ۵) کے متعلق ابن تیمیہ اور ان کے پیرو کرتے رہے تھے۔ یعنی الفاظ کا ظاہری لغوی معانی مفہوم میں لیا۔ حالانکہ اس سے خدا کے جسم و جسمانیات کا مفہوم نکلتا ہے جو مسلمانوں کی اکثریت کے نزدیک عقیدہ توحید سے متصادم ہوتا ہے۔

تمام مسلمانوں کے عقائد افکار کی بنیاد تصور رسالت سے وابستہ ہے۔ وہ نبی اکرم کو امین و صادق مانتے ہیں۔ ان پر ایمان لائے تو انہوں نے جتنی باتیں کہیں، سب پر ایمان لائے۔ اللہ کی وحدانیت، قرآن کا نزول، جبریل کے ذریعہ وحی، حساب کتاب، یوم جزاء، جنت و دوزخ وغیرہ مسلمان سب کچھ نبی اکرم پر ایمان لانے کے نتیجہ میں قبول کرتا ہے۔ اس کے برعکس نبی اکرم کی حیثیت مسلک وہابی نے کمزور کردی پس دیگر مسلمانوں کا مسلک وہابی کے

خلاف ردعمل ایک فطری امر ہے۔ کیونکہ جہاد میں حاکمان جور (سامراجیت) کے خلاف خروج لازمی ہو سکتا ہے اور بادشاہت کی حمایت وسرپرستی مسلک وہابیت کی کامیابی کا سرچشمہ ہے۔

وہابی مسلک کے دفاع میں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے دین اسلام میں ملاوٹ کے عمل کو روکنے میں اہم کام انجام دیا۔ توہم پرستی کو دین سے جدا کیا۔ مقامی رسم و رواج کو اسلام کا جزو بننے سے روکا اور اسے قرآن کے معیاروں پر استوار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان دعووں میں صداقت ہے لیکن یہ نصف صداقت ہے۔ ان کوششوں کے نقصانات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ وہابی مسلک نے اسلام اور مسلمانوں میں انتشار برپا کیا۔ تفرقوں میں شدت پسندی کے ساتھ اضافہ کیا۔ اپنے مسلک کے علاوہ دیگر مسالک کو کفر وزندقہ اور شرک وبدعت قرار دیا۔ ان کا جارحانہ رویہ عالم اسلام میں ہیجان وانتشار کا باعث بنا۔ ان کی پیروی نے دہشت پسند جنگجوؤں کو پیدا کیا۔ جو ابھی حال میں طالبان کے نام سے امن عالم کے لئے خطرہ بنے اور جن کو نابود کرنے کے لیے عالمی طاقتوں نے تباہ کن اسلحوں کا استعمال کیا۔ علمی سطح پر تجزیہ کیا جائے تو اسلام میں ملاوٹ کے عمل نے ہر دور میں اپنے اثرات قائم کیے ہیں۔ خاص طور پر تفاسیر میں اسرائیلیت کا داخل ہوا، جس کا ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں تجزیہ کیا ہے۔ ۲۳؎ اسلام پر مقامی اثرات کی کارفرمائی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مقامی اثرات قومی روایات کی شکل میں نہایت سلامت روی سے داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کی مخالفت شدید ردعمل کا سبب بنتی ہے۔ ترکی کی مثال سامنے ہے۔ پھر وسوال اٹھتا ہے کہ اگر فقہی مسائل کے فیصلہ میں واضح احکام کی عدم موجودگی کی صورت میں قبل اسلام کے حجازی مراسم وروایات بنیاد بن سکتے ہیں اور انہیں استحسان، کا لقب مل سکتا ہے تو کسی مسئلہ میں واضح احکام ہونے کی صورت کسی دوسری قوم کے مراسم وروایات کو بھی بنیاد بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اسلامی قوانین سے متضاد نہ ہوں۔

مذکورہ بالا معاملات ومسائل ذہنوں میں متعدد نئے سوالات پیدا کرتے تھے، جن کا

جواب مسلک وہابیت میں نہ تھا۔ نتیجہ میں اپنے نئے مسلک کے آغاز کے چند برسوں کے بعد ہی ۱۷۴۴ عیسوی میں ابن عبد الوہاب کو عینیہ سے خارج البلاد کر دیا گیا۔ وہاں سے موصوف ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ عیسوی) میں درعیہ پہنچے۔ یہ وہی سرزمین یمامہ ہے، جہاں سے مسلمہ کذاب اٹھا تھا، جس نے دعوائے نبوت کیا تھا! وہاں کا حکمراں موجودہ سعودی بادشاہ کا مورث اعلیٰ محمد بن مسعود تھا جو اس کا ہم نوا ہو گیا۔ ایک بڑا لشکر ترتیب دے کر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اطراف وجوانب کے حکمرانوں کے پاس اطاعت وانقیاد کے خطوط بھیجے۔ بعضوں نے مرعوب ہو کر سر جھکا دیا، باقی کو خوں ریز جنگوں کے ذریعہ مغلوب کیا گیا۔ مزارات کا انہدام شروع کیا۔ مزارات اہل بیت خصوصی نشانہ تھے۔ سب سے پہلے ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۲ عیسوی کربلائے معلیٰ پر چڑھائی کی، روضہ امام حسینؓ میں توڑ پھوڑ کر کے مال و اسباب لوٹ لیا ہزاروں لوگوں کو بہیمیت وبربریت کا شکار ہونا پڑا۔ ۱۸۰۶ء میں وہابی افواج نے شدید قتل وغارت کے بعد مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ وہابی افواج نے مکہ معظمہ میں مقبرے اور گنبد مسمار کیے، جن میں طائف النبی بھی شہید ہوئے۔ آخر کار ۱۸۱۴ عیسوی میں عثمانیوں (ترکوں) نے وہابیوں سے حکومت چھین لی اور ان کے سردار کا سر قلم کر دیا۔ ان کی حکومت فقط بیس برس رہی۔ ۱۸۲۴ء میں وہابیوں نے ریاض اور نجد پر قبضہ کر لیا۔ ترکی نژاد سعودی شہری فیصل حکمراں ہوا۔ دوبارہ وہابی حکومت عبد العزیز بن عبد الرحمٰن السعود کی الوعزمی سے جنوری ۱۹۰۲ء میں قائم ہوئی۔ ستمبر ۱۹۳۲ء میں حکومت نے موجودہ نام اختیار کیا۔

ہندوستان میں مسلک وہابی مسلک اہل حدیث سے ہم آہنگ ہے۔ دونوں مسالک کی مذہبی سرگرمیاں یکساں ہیں۔ مدرسہ دیوبند، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح وغیرہ اہل الحدیث کے نشر و اشاعت کا ذریعہ ہیں اور مسلک وہابیت کے بھی۔ حکومت سعودی عرب ان مدارس اور ان سے وابستہ علمائے اہل تسنن کے ذریعہ اپنے عقائد وافکار کی تبلیغ واشاعت میں ہر سال کروڑوں روپے صرف کرتی ہے۔ کتنے ہی جبہ ودستار درشاہی پر خم نظر آتے ہیں۔

مسالک اہل الحدیث والموحدین کم از کم برصغیر کی حد تک الگ الگ مسالک نہیں رہ گئے ہیں۔ دونوں کا مشترکہ نام غیر مقلدین ہے۔ حالانکہ انہیں ہنوز اہل تسنن میں اکثریت حاصل نہیں ہے۔ لیکن اس میں اہل تسنن کے ممتاز علماء کی شمولیت اور ہر سال مدارس سے ہزاروں فارغ التحصیل مولویوں کی فوج ظفر موج اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ مقلدین بھی اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لیے غیر مقلدین کے مدرسوں میں داخل کرتے ہیں، جن میں تعلیم کے دوران قلب ماہیت ہوجاتی ہے مقلدین نے اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنے الگ ادارے قائم کرنا شروع کردیے ہیں، لیکن ان کی علمی وتدریسی اوقات حاصل کرنے میں وقت لگے گا۔ مقلدین کے علمی ادارے جو درس نظامی کے لئے صدیوں تک برصغیر میں ممتاز رہے، غیر مقلدین کے اداروں کے سامنے اپنی رونق کھو بیٹھے ہیں۔

مسلک مقلدین:

اہل تسنن میں مقلدین کا الگ سے کوئی مسلک ان معنوں میں نہیں قرار دیا جاسکتا کہ ان کا انفرادی فقہی ضابطہ ہو، مقلدین میں اکثریت فقہ حنفی کی پابند ہے۔ جس میں ان کے اور غیر مقلدین کے درمیان کوئی وجہ امتیاز نہیں ہے لیکن علمی مسائل میں بعض پہلوؤں سے دونوں ضمنی مسلک میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مقلدین اور غیر مقلدین کے ناموں سے ہی دونوں ضمنی مسالک کا فرق نمایاں ہے اور دونوں ایک دوسرے کا رد عمل معلوم ہوتے ہیں۔ برصغیر میں اہل تسنن کی اکثریت کی ۸۰ فی صد مقلدین میں شامل ہے۔ ان میں صوفیہ کے مختلف سلاسل (سلسلہ نقش بندیہ میں بعضوں کو چھوڑ کر)، جن کا حلقہ بیعت پورے برصغیر پر محیط ہے، مقلدین کے دائرہ کو وسیع تر کر دیتے ہیں۔ ان کے مختلف ومتعدد ادارے سرگرمی سے رد غیر مقلدین میں عمل پیرا رہتے ہیں۔ صوفیہ کے مزارات پر عرس، قل، فاتحہ چادر وغیرہ کو غیر مقلدین شرک وبدعت اور گناہ جانتے ہیں، جبکہ ان کے مقلد عقیدت مندوں کے لئے روحانی ارتفاع کا ذریعہ ہیں۔ ان میں قوالی کی محفلیں عوامی مقبولیت کا سامان مہیا ہیں۔ صوفیہ سے عقیدت مندی میں

مسلمانوں کے مختلف فرقے اور مسالک ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندو اور دیگر غیر مسلم بھی صوفیہ سے عقیدت میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں۔ صوفیہ کے نظریات کی جڑیں ہندوستانی سرزمین میں پیوست ہیں۔ کیونکہ صوفیہ کی سرپرستی کی بنا پر غیر مقلدین کے لیے مقلدین کی بیخ کنی ممکن نہ ہو سکی، ورنہ انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

مقلدین کی ایک جماعت احمد رضا خاں بریلوی (م: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی پیرو ہے اور انھیں اعلیٰ حضرت کہتی ہے۔ جو سلسلہ قادریہ سے بیعت تھے لیکن انہیں دیگر سلاسل کی خلافت بھی حاصل تھی۔ اپنے افکار و عقاید کی تبلیغ کے لئے علوم وفنون متداولہ کو ذریعہ بنایا۔ ان کے معتقدین رضاخانی یا 'رضویہ' کہلاتے ہیں۔ اس ضمنی مسلک کے لوگ عقاید میں دیگر مقلدین سے مختلف نہیں ہوتے، البتہ ان میں قیام وسلام پر زیادہ زور ہوتا ہے۔ یعنی رسول اسلام پر کھڑے ہو کر سلام کہا جائے، جس کو غیر مقلدین بدعت وشرک قرار دیتے ہیں۔ مقلدین، غیر مقلدین، وہابی اور اہل الحدیث باہمی طور پر ایک دوسرے پر شرک وبدعت کا فتویٰ جاری کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ بسا اوقات کفر والحاد کا فتویٰ دینے سے نہیں چوکتے۔ البتہ اگر ان کے درمیان وجہ اشتراک تلاش کیا جائے تو صوفیہ کے علاوہ باقی تمام ضمنی فرقے اہل تشیع کی مخالفت میں ہم آہنگ ہیں۔ ان تمام ضمنی مسالک کے علماء اہل تشیع کی رد میں کتابیں لکھتے رہے ہیں جن کا جواب اہل تشیع کی جانب سے دیا جاتا ہے، پھر جواب الجواب کا سلسلہ لامتناعی شروع ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ اہل تسنن کے متعدد چھوٹے چھوٹے مسالک ہیں جن کا ذکر طوالت کے خیال سے ترک کیا جاتا ہے۔

حوالے:

۱۔ مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، ج ۱ ص ۵۹

۲۔ ایضاً! ج ۱ ص ۹۶، ج ۲ ص ۳۶ ۔ ۱۳۲

۳۔ الکردری، مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۱۰۹

۴۔ بن خلکان: وفیات الاعیان: ج ۲ ص ۳۰۳ (قاہرہ ۱۸۹۲ء)

۵۔ بو یوسف: کتاب الخراج ص ۱۰۸، ۱۱۶

۶۔ موطا (مرتبہ زرقانی) ج ۲ ص ۱۰ ۔ ۳۰۲ (قاہرہ ۱۸۶۳ء)

۷۔ طبری ج ۳ ص ۲۵۰

۸۔ وطاج ۳ ص ۳۵۹

۹۔ موطا ص ج ۲ ص ۳۱۵، ۳۶۵، ۳۷۸

۱۰۔ ابن قتیبہؒ کتاب المعارف ص ۵۱ ۔ ۲۴۸ (۱۸۵۰ء)

۱۱۔ بن حزم ص ۲۱۲ سلدنی اصول الفقہ ص ۶۶ (بلاق ۱۹۰۳ء)

۱۲۔ طبری ج ص

۱۳۔ H.S.J.Phiby : The Heart of Arabic Vol I P 18 (London 1922)

۱۴۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی تجدید واحیائے دین ص ۷۱ (دہلی ۱۹۸۶ء)

۱۵۔ عبد العزیز ملفوظات (ترجمہ ایوب قادری) ص ۱۷۴ (کراچی ۱۹۶۰ء)

۱۶۔ ولی اللہ محدث انفاس العارفین ص ۱۹۳

۱۷۔ مظہر بقا: اصول اور شاہ ولی اللہ ص ۹۷۔ ۹۱۴ اسلام آباد ۱۹۷۳ء

۱۸۔ ولی اللہ: التفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۱۲۰

۱۹۔ اشتیاق حسین قریشی برصغیر ہندو پاک کی ملت اسلامیہ ص ۲۲۹ (کراچی ۱۹۶۷ء)

۲۰۔ K.K. Nizami: Shah Wali Ullah and India Politics pp 133-145
(IslamicCulture Hyderabad Vol 25 1951)

۲۱۔ محمد بن عبد الوہاب: التوحید الذی ھو حق اللہ علی العبید: اردو ترجمہ عبد المالک مجاہد (مقام وسنہ ندارد)

۲۲۔ ۱۰۰ ایضا ایضا

۲۳۔ ایضا ایضا ص ۷۱

☆☆☆☆☆